مقالات

انسانیت کے چند مختلف پہلو

از جناب مولانا مناظر احسن گیلانی

"مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی استاذ کلیہ جامعہ عثمانیہ سیرۃ مطہرہ نبویہ پر ایک مفصل کتاب لکھ رہے ہیں جس کا نام "نبوت بینہ" ہوگا۔ اس کتاب کے مختلف ابواب جداگانہ عنوانات کے تحت "ترجمان القرآن" میں شائع ہوتے رہیں گے۔ ذیل کا مضمون اس کتاب کا پہلا باب ہے"

تجزیہ (۱) انسانیت کے ظہور کا صحیح مقام آدمی کا ظاہر ہے یا باطن؟ (۲) آدمی کی بڑائی کا مدار اس کے معنوی کمالات پر ہوتا ہے یا بیرونی خصوصیات پر؟ (۳) اس کی قدر و قیمت اندر سے لگائی جاتی ہے یا باہر سے (۴) باہم انسانوں کے مختلف افراد میں ترجیح و برتری اندر کی راہ سے پیدا کی جاتی ہے یا باہر سے؟ (۵) اقوام اور امتوں کی صحیح تقسیم وہ ہے، جو ظاہری اوصاف اضافی اور فرضی انتسابات کی بنیاد پر کی جاتی ہے، یا وہ جو ذہنی اور معنوی اندرونی و باطنی وجوہ پر مبنی ہے

انسان کی جلالت و کرامت اگر باطنی خصوصیات، اور معنوی کمالات سے قطع نظر کر لیا جائے تو آدمی کے اس جرم استخوانی، ڈھیلے ڈھالے، کھوکھلے قالب پر کیا انسانیت کی اس عظمت و جبروت کرامت و جلالت کا مینار کھڑا کیا جا سکتا ہے جس کا ہنگامہ اتنی بلند آہنگوں کے ساتھ مذہبی اور لامذہبی دونوں حلقوں میں پوری قوت کے ساتھ برپا ہے؟ مذہب نے اگر خدا کو سب سے بڑا اور اکبر مانا ہے تو خدا کی پھونکی ہوئی روح کے مظہر انسان کو خلافت کا مقام عطا کر کے کیا سارے جہان پر اس کی کبریائی کا

اعلان نہیں کیا؟ اور آسمانی نوشتوں میں جب حریم عفاف ملکوت کے قدوسیوں کی پیشانیاں
اس کے آگے جھکی ہوئی بتائی گئی ہیں تو طبقات وجود کی کونسی ہستی رہ جاتی ہے جو انسانی حقیقت کے
سامنے خمیدہ نہ رہی؟ مشاہدہ کی کون تکذیب کرسکتا ہے؟ ہستی کے اس سمندر کی کونسی موج ہے
جس کے گلے میں آدم کے بچوں کی اطاعت کا طوق نہیں پڑا ہوا ہے؟ ان جمادوں، نباتوں، چرندوں
پرندوں، اور درندوں میں کون ہے جس پر اس کے تسخیری فرامین مسلسل تعمیل نہیں ہو رہے ہیں؟ خاک
کا یہ تودہ زمین ہو، یا پانی کا وہ ذخیرہ جسے تم سمندر کہتے ہو، کیا اس کے قابو سے باہر ہیں؟ ہوا پر
اس کے قبضہ کی داستان سنائی گئی تھی، تو تقلیدی شکوک نے تم کو مذبذب رکھا تھا لیکن کیا اب بھی
اس کو جھٹلاؤ گے جسے تمہاری آنکھیں دیکھ رہی ہیں؟ سچ کہا جس نے کہا کہ انکھوں کو وہ سب کچھ نگلنا
پڑے گا جسے کانوں نے اگلا تھا۔ اور یوں بھی تو جن کی خودی کے تنگ وتاریک صحنچہ میں، خدا کی
بڑائی بلکہ خدا ہی کی گنجائش نہیں ہے، کم از کم انسان کی بڑائی کے اعتراف پر تو وہ بھی مجبور ہیں
وہ جو اوپر سے نیچے نہ آسکے، کیا نیچے سے اوپر چڑھتے ہوئے بالآخر اپنے ارتقائی عروج کی انتہائی بلندی
پر اس کو کھڑا نہیں پاتے ہیں، جس کو مذہب نے بھی خدا کی تقویمی حسن کاریوں کا آخری عمل ٹھیرایا ہے
لیکن اندر سے نکل کر جو انسان کے صرف بیرونی ڈھانچے پر ٹوٹے گا، اس کو کونسی ایسی انوکھی چیز ہاتھ
آئے گی جس پر انسانیت کی متفقہ جلالت وبرتری کا طرۂ امتیاز صحیح معنوں میں نصب کیا جاسکتا ہے
آدمی کے باہر میں کیا ہے جس میں دوسرے اس کے ساجھی اور سہیم نہیں؟ ہاں اس کی قامت دراز ہے
اس کا قد اونچا ہے لیکن کیا بلوط سے اونچا؟ اور ساگوان سے زیادہ بلند؟ اور سٹ سے زیادہ بالا؟
فربہ جثوں، اور گدازہ وٹہروں کی آدمیوں میں کمی نہیں، لیکن کیا پرواس کے بیلوں سے زیادہ فربہی گجرات
کی بھینسوں سے زیادہ موٹائی؟ آسام کے ہاتھیوں سے زیادہ پہنائی؟ بشر کے بشروں پر جو کچھ نظر آتا ہے
کن کے چہرے اس سے خالی ہیں، کتنی پیشانیوں پر دو آنکھیں نہیں، کس کے مکھڑے پر ناک نہیں، کیا آدمی

ہی کے منہ میں دانت ہیں۔ اسی کے کاسۂ سر پر کان مڑھے گئے ہیں؟ اوپر سے لے کر نیچے تک جسد انسانی کا جائزہ لو، ٹٹولتے جاؤ، تمہاری گرفت میں کیا آئے گا۔ جو دوسروں کے پاس نہیں؟ اور اسی لیے کہا گیا اور اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ انسان کی ساری عظمتوں، ساری بزرگیوں، تمام بڑائیوں کے قصر معلی کی زیادہ تر بنیاد ان نادیدہ اور غیر مرئی صفات پر قائم ہے، جو آدمی کے ظاہر میں نہیں بلکہ داخل میں ہیں، باہر میں نہیں بلکہ اندر میں اور قالب میں نہیں بلکہ قلب میں ہیں۔

انسان کی قدر و قیمت کیا آدمی کی قدر و قیمت کے تفاوت کا منشا بھی عموماً بیرونی امتیازات نہیں، بلکہ اندرونی کمالات و حسنات ہی نہیں ہوتے؟ وہ جو ہم میں چپراسیوں کی صف میں جوتوں کے کے پاس دو ٹانگوں پر کھڑا کیا گیا ہے اور ہر قسم کی ذلت و خواری کے ساتھ کھڑا کیا گیا ہے، آخر اس کے باہر میں کیا نہیں ہے جو ان میں ہے جنہیں بصد اعزاز و بہ ہزار احترام، صدارت کی کرسیاں اور وزارت کے قلمدان سپرد کیے گئے؟

مختلف افراد کی باہمی ترجیح و مزیت اور یہ جامعات و کلیات، مدارس، اور اسکولوں، امتحانوں اور درجوں، ڈویژنوں، اور اعزازی سندوں ڈگریوں، اور تمغوں، بھانت بھانت کے گونوں اور قباؤں عباؤں، اور جبوں، یہ کس چیز کا مظاہرہ ہو رہا ہے؟ کیا اس کا جو کچھ آدمی کے اوپر ہے؟

کیا سوالات کے پرچوں سے جواب دینے والوں کے رنگ و روپ کا سراغ لگا سکتے ہیں؟ جوابی بیاضوں سے کیا واقعی لکھنے والوں کے چہروں کی تقطیع اور آنکھوں کی ساخت کا پتہ چل سکتا ہے، یا پتہ چلانے کا کام لیا جا سکتا ہے؟ یقیناً کروروں روپے کے ان مصارف کا مقصد یہی اور صرف یہی ہے کہ جانچے جائیں آدمی کے وہ باطنی کمالات، قدرتی ملکات معنوی حسنات جن کی بنیاد پر نوع انسانی کا ایک فرد دوسرے سے زیادہ قیمت، زیادہ عزت کا واقعی طور پر مستحق قرار پاتا ہے۔

الغرض بڑائی ہو، یا عظمت، قدر ہو، یا قیمت، ترجیح ہو، یا مزیت، انسانی فطرت کے ان

مرحلوں کی بنیاد، اگر سب نہیں تو، زیادہ تر باہر میں نہیں، اندر میں ہے، خارج میں نہیں، داخل میں ہے ظاہر میں نہیں، باطن میں ہے، پوست میں نہیں مغز میں ہے، اور کہنا چاہو تو کہہ سکتے ہو کہ جسم میں نہیں روح میں ہے، جسد میں نہیں جان میں ہے، اور یہی وہ مقام ہے جہاں آکر طے ہوجاتا ہے کہ انسانیت ہو یا آدمیت کوئی بیرونی نہیں بلکہ اندرونی، ظاہری نہیں بلکہ باطنی، خارجی نہیں بلکہ داخلی لفظی نہیں بلکہ ایک معنوی حقیقت ہے، اور شائد کہ وہ صرف معنوی ہی حقیقت ہے۔

دنیا نے ہمیشہ یہی سمجھا، اور ہمیشہ یہی سمجھتی رہے گی' آدمی کبھی نہ ناپا گیا ہے، نہ شائد آیندہ وہ ناپا جائے، وہ صحرائی بانس نہیں ہے جس کی پیمائش کی جائے، اور نہ چراگاہوں کا چرندہ ہے جس کی قیمت کا اندازہ گوشت اور چربی سے ترازو کے پلڑوں پر کیا جاتا ہے، نہ چکھ کر بنی آدم کے دام لگائے گئے نہ سونگھ کر اس کی مزدوری ٹھیرائی گئی۔

قسمت کے وقت انسان کی قسمت یہی واقعہ تھا اور اب تک ہے، سب یہی کہتے آئے اور کہہ رہے ہیں، کہتے چلے جائیں گے لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ کیا ہوا اور کیوں ہوا؟ مگر ہوا کہ ٹھیک وہی آدمی جس کو زبانوں نے یکزبان ہو کر صرف معنوی حقیقت اور باطنی وجود قرار دیا تھا، جوں ہی کہ اس کی عظمت و جلالت کا نہیں ترجیح و مزیت کا نہیں بلکہ قسمت، اور صرف بانٹنے کا وقت آیا تو بخت کی خرابی اور نصیبہ کی بیدادی تو دیکھو! کہ جو اندر تھے دفعۃً باہر نکل آئے، وہ جو باطن میں اور صرف باطن میں غرق تھے اچانک سطح ظاہر پر آکر ہاتھ پاؤں ٹیکنے لگے۔ ضغطہ! اور کیسا شدید ضغطہ!! کہ الٹ گیا، انسان بالکل الٹ گیا داخل خارج ہوگیا، اندر باہر ٹھیرایا گیا، جو معنی تھا لفظ قرار دیا گیا، مغز کو چھلکا، اور صرف چھلکا سمجھا گیا، آدمی سے آدمی کا فطری مقام چھوٹ گیا پھر وہ بھٹکا اور ایسا بھٹکا کہ اس کا بھٹکنا کسی طرح ختم نہیں ہو رہا ہے، وہ لڑھکا اور اس بری طرح لڑھکا کہ اس کی قلابازیاں جاری ہیں اور اسی شدت کے ساتھ مسلسل جاری ہیں، مغالطے ہیں اور غلط فہمیاں، اوہام ہیں اور مفروضات جن کی خندقوں میں

گر رہی ہے، آدم کی اولاد گر رہی ہے، کوئی نہیں جو ہاویہ کے اس عذاب سے اس کو باہر کھینچے یا کم از کم جو نہیں گرے ہیں ان ہی کے بازو کو بڑھکر تھامے۔ دیکھتے ہیں، اور نہیں دیکھتے، سنتے ہیں، اور نہیں سنتے، سمجھتے ہیں اور نہیں سمجھتے۔ دیکھ رہے تھے جب تک کہ آدمی کی عظمت کا سوال تھا اس رہے تھے جب تک اس کی قدر و قیمت کی بحث تھی سمجھ رہے تھے جبتک اس کی ترجیح و برتری کی تلاش تھی لیکن جوں ہی کہ بجائے عظمت و قیمت کے آدمی کی قسمت کا سوال اٹھا سب اندھے بنے سب بہرے ہوے۔ کوئی ہے جو ایسوں کو سمجھائے، کوئی ہے جو انسانیت کی اس غیر فطری تقسیم کے پیچ در پیچ الجھے ہوے پھندوں سے آدم کی اولاد کو خلاصی دلائے، ایک پھندا ہو تو توڑا جائے، ایک گرہ ہو تو کھولی جائے۔

چرمی اختلاف کی تقسیم | آدمی کی تقسیم کا وقت آیا پھر عجب تماشا تھا۔ پھر کچھ لوگ تھے جنھوں نے دیکھنا شروع کیا اور کیا دیکھنا شروع کیا، کھال کو، آدمی کی صرف اس کھال کو جو اس کے بدن پر مڑھی ہوئی تھی، اور اب وہ انسان کو بجز اس چرمی غلاف کے نہ کچھ سمجھتے ہیں اور نہ سمجھانا چاہتے ہیں، انھوں نے کہا کہ وہ جن کی کھال اور صرف کھال، شدت برودت، یا آفتابی انوار کی تلوینی تاثیر سے محروم ہو کر بے رنگ یا پھیکی پڑ کر رہ گئی ہے ان کی برابری وہ نہیں کر سکتے جن کے چہروں کے رنگ و روغن کو سورج کی کرنوں نے نکھار کر چمکا دیا ہے، انھوں نے پھیکوں یا پھیکے رنگ والوں کا "اجلا" نام رکھا، اور کہا کہ انسانیت کے سارے حقوق ان اہی کے لئے ہیں، اور جو رنگین تھے ان کو "کالے" کے لفظ سے پکارا، اور بولے یہ بھی اجلوں کے لیئے اور ان کی محنتوں کی ساری پیداوار بھی ان ہی کے لیے ہے۔

رنگ کے اس سطحی اختلاف سے انھوں نے قومیت پیدا کی۔ اور بجائے اس کے کہ اس کو انسانوں (بالخصوص) نژاد کے باہمی معارفت و شناسائی کا ذریعہ بناتے اور یہ سمجھاتے کہ باہر کے اس سطحی اور بیرونی اختلاف پر نہ جاؤ، بلکہ اندرونی اور واقعی طور پر دیکھو کہ سب ایک ہیں اور سب کی

حقیقت ایک ہے لیکن بجائے اس کے انہوں نے اس کو جنبیت بڑھانے کا آلہ، اور کیسا خطرناک آلہ بنایا کہ، ایک ہی ماں باپ کے بچوں کو جدا کیا، صرف رنگ کے اس ہلکے سے اختلاف کی بنیاد پر جدا کیا۔ دلوں کو جدا کیا، دماغوں کو جدا کیا، شکلوں کو جدا کیا، اور بھیسوں کو جدا کیا، لباسوں اور پوشاکوں کو جدا کیا، اور اس حد تک جدا کیا کہ نہ صرف کرسیوں، اور میزوں، ہوٹلوں اور پارکوں، گاڑی کے درجوں، اور کلاسوں سے، بلکہ عبادت کرنے کی پاک جگہوں سے بھی اس غریب رنگ دار کو دھتکارا۔

اور بات کیا صرف اسی نوبت پر ختم ہوگئی؟ دیکھو! اجلوں کی بہکائی ہوئی ذہنیت، اور غلائی ہوئی فطرت نے بالآخر غرانے پر اکسایا، ٹھیک ہڈیوں پر لڑنے والے کتوں کی طرح اکسایا جب ان کے سامنے، کوئی مسکین "کالا" گذرتا ہے تو وہ اس کے خون کے پیاسے ہوئے، اس کے گوشت کے نوچنے کی فکر میں ہانپنے لگے، اور صرف اس لیے ہانپنے لگے کہ اس کے بیرونی پوست کا رنگ وہی کیوں نہیں ہے، جو انکا ہے حالانکہ اس کی کھال کو ادھیڑ کر دیکھتے تو اس کے خون کو اپنے خون سے اس کے گوشت کو اپنے گوشت سے، اس کی ہڈیوں کو اپنی ہڈیوں سے قطعاً جدا نہ پاتے۔ لیکن رنگ کے مغالطے نے مغالطوں کا ایک انبار پیدا کیا اور کیسا انبار کہ کوئی اس کو صاف نہیں کر سکتا،

"جتنی دیر میں اٹک اٹک کر میں نے یہ الفاظ کہے، وہ شخص میری طرف بڑھا، اور اس نے میرے کانوں پر تان تان کر گھونسے لگانا شروع کیے۔ اس نے میرا بازو پکڑ لیا اور مجھے کھینچ کر نیچے اتارنا چاہا، میں نے پیتل کا کٹہرا جو کوچ بکس پر لگا تھا مضبوط پکڑ لیا اور یہ ارادہ کر لیا کہ چاہے میری کہنی ٹوٹ جائے مگر اسے نہ چھوڑوں گا مسافر یہ تماشا دیکھ رہے تھے کہ وہ شخص مجھے گالیاں دے رہا ہے"

یہ گالیاں بکتے ہوئے تان تان کر گھونسے مارنے والا کون ہے؟ "اندر" سے صرف ایک ناتراشیدہ کندہ بالکل جاہل سخرم بان ہے جس کے اوپر اتفاق سے اجلی کھال مڑھی ہوئی تھی، اور وہ

مسکین جس کے کانوں کو کچلا جا رہا تھا اور جس کی کہنیاں توڑی جا رہی تھیں، وہ باہر سے اور صرف باہر سے اگرچہ اجلوں کی زبان میں "کالا" آدمی تھا، لیکن جس کے "اندر" کے متعلق کسی شکرم ہانکنے والے یا گھاس کھودنے والے پھیکے رنگ والے کی نہیں بلکہ کنٹربری کے لاٹ "پادری" کی یہ دینی شہادت ہے:

"ان کی (یعنی گاندھی کی) زندگی میں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی جو شان ہے،
وہ آج تک کسی میں نظر نہ آئی" (قوم کی آواز صفحہ ۳۲)

چپ چاپ دم سادھ کر مار کھانے والے آدمی کے متعلق تم کیا خیال کرتے ہو کہ اس نے "اجلوں" کی کسی عورت کو اسی نیت سے گھورا تھا جس نیت سے امریکہ کے حبشی "گوری عورتوں" کو تاکا کرتے ہیں؟ یقیناً اس کی دھوتی کے کسی گوشے سے آتش گیر مادوں کی وہ پڑیا بھی نہ نکلی تھی جو بنگال کے بم بنانے والوں کی لنگیوں میں عموماً بندھی رہتی ہے، اگر ایسا ہوتا تو بلاشبہ یہ اندر کا جرم اور ایک ایسا مجرمانہ اختیاری فعل ہوتا جس پر آدمی سزا کا مستحق ٹھیرتا ہے، لیکن سزا ہو رہی تھی اور صرف اس شعور میں سزا ہو رہی تھی کہ قدرت نے اس کے رنگ کو اس درجہ پھیکا کیوں نہیں رکھا جو اس شکرم بان کا تھا یا ان لوگوں کا تھا جو اس شکرم میں بیٹھ کر سفر کر رہے تھے۔

شائد غیر اختیاری فعل پر غصہ نہیں آتا اور جس کو آتا ہے اسے مجنون و عقل باختہ ٹھیرایا جاتا ہے۔ لیکن "یورپین شکرم بان" کو گاندھی جی کے اس غیر اختیاری فعل پر نہیں بلکہ صفت پر غصہ آیا اور اس قدر آیا جس کی تصویر گاندھی جی نے اپنی خود نوشتہ سوانح عمری میں مندرجہ الفاظ میں کھینچی ہے، جس وقت ان کو جنوبی افریقہ کی راہ میں ایک یورپین شکرم بان نے بغیر کسی قصور کے مارا تھا کہ وہ کالے ہندوستانی تھے۔

مگر تم نے دیکھا کہ اس گاڑی کے مسافروں نے "شکرم بان" کی عقل میں کسی قسم کا فتور محسوس کیے بغیر اس تماشے کو دیکھا اور کتنے اطمینان سے دیکھا، اور اس کے متعلق دیکھا، جس کا ظاہر اگرچہ "کالا" تھا، لیکن اسی کے باطن میں ان ہی اجلوں کی سب سے بڑی دینی شخصیت "آرچ بشپ آف کنٹربری"

کو (العیاذ باللہ) خدا نہیں تو خدا کے بیٹے کی شان نظر آئی، اُف جو ان کو اتنے مسیح معلوم ہوا، دیکھو تو رنگ اور صرف رنگ کی بنیاد پر وہ انہی کے پاس ناپاک سور اور نجس کتے سے بھی بدتر ٹھیرایا گیا کہ سور کے پلے بھی منگا دیے جاتے ہیں۔ اور کتوں کے بچے بھی در درا دیے جاتے ہیں، لیکن کھال کے لونی تفاوت اور صرف لونی تفاوت نے آدم کے بچے کو اس سے بھی بدتر مجرمانہ بدسلوکی کا مستحق قرار دیا،

اور کیا یہ واقعہ صرف مسٹر گاندھی کے ساتھ پیش آیا اور ایک دفعہ پیش آیا، کون بتا سکتا ہے کہ کتنے گاندھیوں کے ساتھ کتنے شکرم بان صبح سے شام تک صرف "جرم رنگ" میں اس سے زیادہ سنگین، ظالمانہ بیدردیوں کے جگر خراش، زہرہ گداز نظارے نہیں پیش کرتے رہتے ہیں۔

کینوں کے ان شراروں، بغض کی ان چنگاریوں، عداوت کے ان شعلوں کا کون اندازہ کر سکتا ہے جو رنگ کی اس ہلکی سطحی بنیاد پر بھڑک رہے ہیں، اور بھڑکائے جا رہے ہیں، انہیں کون گن سکتا ہے، جو اس آگ میں بُھنے، اور بھن رہے ہیں، یا آئندہ بھونے جائیں گے۔

رنگ کی تحدید ناممکن ہے رنگ کی بنیاد پر انسانوں کی ایک جماعت کو دوسری جماعت سے جدا کرنے والوں نے کیا کبھی یہ بھی سوچا کہ آخر ان کی یہ تقسیم و تفریق کیا آدمی کو تین یا چار ہی ٹولیوں میں بانٹنے کے بعد ختم ہو جائے گی، کالے ہوں یا پیلے، کیا ان میں دو حقیقی بھائیوں کا رنگ بھی واقع کے لحاظ سے بالکل ایک ہو سکتا ہے، عامیانہ اغماض سے اگر کام نہ لیا جائے تو حکیمانہ نظروں میں یقیناً دو بھائیوں کے چہروں کے رنگ و روغن کی نوعیت بھی ہر لحاظ سے کبھی ایک نہیں ہو سکتی، اور جب صرف جلد کی اختلافات ہی کو تقسیم کی بنیاد ٹھیرایا جاتا ہے تو کون روک سکتا ہے اس شخص کو جو آدمیوں کی صف بندی شکل و صورت، بلکہ ناکوں، اور کانوں کی مشابہت اور عدم مشابہت کی بنیاد پر کرنے لگے، کہنے والے جب یہ کہتے ہیں کہ دو آدمیوں کے انگوٹھوں کی لکیریں بھی باہم متحد نہیں ہوتی ہیں، ممکن ہے کہ سرسری نظر میں تمھیں ایسا معلوم ہوتا ہو، لیکن واقعات کے عالموں کا یہ علم نہیں ہے، پھر بتاؤ کہ تقسیم کے وقت خصوص

انسان کے باطن کو نہیں بلکہ ظاہر کو دیکھا، کیا انھوں نے اس دہشت ناک تحریک کی ابتدا نہیں کی ہے جس کا آخری نتیجہ صرف یہ ہو کر رہ جاتا ہے کہ نوع انسانی کا ہر فرد دوسرے سے جدا ہو جائے اور بغض و عداوت کے ساتھ جدا ہو جائے،

رنگ کا اختلاف اختیاری فعل نہیں ہے

اگر جوانوں کے بالوں کی سیاہی اختیاری فعل نہیں ہے اور بوڑھوں کے سر کی سفیدی میں بڈھے کے ارادہ کو دخل نہیں ہے تو پھر کسی ملک کے موسمی حالات نے اگر کسی کے رنگ کو ابھار کر چمکا دیا، اور کسی ملک کے باشندوں کی کھال رنگین نہ ہو سکی تو کیا رنگ کے اس اختلاف میں کسی کی خواہش اور اختیار کو ذمہ دار ٹھیرایا جا سکتا ہے، پھر اضطراری صفات، غیر ارادی کیفیات کو اختیاری جدائی کا معیار کیوں بنایا جاتا ہے، سیاہ بال والے جوان کے لیے اگر یہ جائز نہیں ہے کہ سفید ریش بوڑھے کی توہین کرے تو اجلی کھال والوں کو کس نے اجازت دی کہ رنگین چمڑے والوں کی طرف سے اپنے دل میں نفرت و عداوت کی انگیٹھیاں سلگائیں، کسی کو اس لیے کون مار سکتا ہے کہ اس کا قد کوتاہ کیوں ہے؟ اس لیے فرد جرم کس پر لگائی جا سکتی ہے کہ اس کے قامت میں درازی کیوں پیدا ہو گئی۔

رنگ کا اختلاف اتحاد و اتفاق کے ساتھ بدل نہیں سکتا

جو آدمی کو رنگ ہی کی بنیاد پر جدا کر کے تقسیم کرتے ہیں پھر ان سے کوئی یہ کیوں نہیں پوچھتا کہ قوموں کی لیگ کیوں بنائی جاتی ہے۔ انسان کی عام برادری کا صور کس بنا پر پھونکا جاتا ہے، عام حیات بشری کی حفاظت کے لیے تخفیف اسلحہ کے لیے دعوت کے رقعے مختلف ملکوں میں کیوں بانٹے جاتے ہیں، جنگ کے ختم کرنے کے منصوبے کیوں گانٹھے جاتے ہیں، صلح عالم کے خواب کیوں دیکھے جاتے ہیں جب اختلاف کی بنیاد میں انسان کا معنی نہیں بلکہ صرف صورت ہے، اندر نہیں صرف باہر ہے، ارادی خیالات و جذبات نہیں، بلکہ صرف غیر اختیاری کوائف و صفات ہیں تو بتاؤ کہ کالے چہروں پر گوری کھال کس طرح مڑھی جا سکتی ہے، اور سیاہ رنگ میں زرد رنگ کون بھر سکتا ہے نسل اور خون کا اختلاف بھی غیر ارادی اور اضطراری ہے پھر اگر رنگ کا اختلاف ان کے اختیاری

فعل کا ثمرہ نہیں ہے بلکہ اس کی سطح ظاہر کی ایک اضطراری کیفیت ہے تو کیا یہی حال نسل اور خون کے اختلاف کا نہیں ہے۔

آہ! کہ جو کسی شودر اور چنڈال کے گھر پیدا ہوا، کیا اپنی خواہش سے پیدا ہوا؟ وہ جو اپنے کو کسی سورج بنسی گھرانے میں پاتا ہے، اس کے لیے کوئی ارادی جدوجہد اس نے کبھی کی تھی؟ سلافی نسل میں کوئی اپنے کو اپنے ارادے سے شریک نہیں کرتا اور نہ ٹیوٹنی خانوادوں میں کوئی اپنی کوشش سے اپنے کو پیدا کرسکتا ہے، سامیوں کا خون اپنی رگوں میں اپنے ہاتھوں سے کوئی خود کبھی نہیں بھرتا، اور نہ آریائی گوشت و پوست کو اپنی ہڈیوں پر کوئی خود چڑھاتا ہے، پھر نسل اور خون کی بنیاد پر جو ایک آدمی کو دوسرے کے سامنے سے ڈھکیلتے ہیں، یا ایک دوسرے کے خون کا پیاسا بناتے ہیں۔ بتاؤ کہ انھوں نے بھی انسان کو اسی فعل کا ذمہ دار نہیں گردانا جس کا وہ قطعاً ذمہ دار نہیں ہے۔

نسلی اختلاف بھی اتحاد و اتفاق سے بدل نہیں سکتا

اور آدمی کو جب بجائے اندر کے باہر سے، اور بجائے باطن کے ظاہر سے، بجائے حقیقت کے صرف نسب سے بانٹا جائے گا تو ابلیس کی صرف ایک دلدل میں نہیں ان سارے دلدلوں میں انہیں دھنسا ہوا پاؤ گے جن میں رنگ والوں کو تم نے گڑا ہوا دیکھا تھا۔

اگر رنگ کا اختلاف مٹ نہیں سکتا تو کیا نسل کا اختلاف مٹایا جا سکتا ہے؟ جو زید کا پوتا ہو چکا ہے اس کو عمرو کا پوتا کون بنا سکتا ہے کسی راجپوتنی کے پیٹ سے کوئی زمین پر آیا ہے تو اب کسی برہمنی کی کوکھ سے کیسے نکل سکتا ہے؟ پھر سارے انسانوں کی برادری وہ کیسے قائم کر سکتے ہیں جو ابھی آدم کے بچوں کو سامی اور آریائی، تورانی اور ٹیوٹانی نسلوں میں بانٹ رہے ہیں، جو نسل کی بنیاد پر توڑ رہے ہیں کیا انھوں نے کبھی یہ بھی سوچا کہ انسانیت کے مختلف ٹکڑوں کو پھر وہ کس طرح جوڑ لیں گے۔

نسل کی تقسیم بھی پھر کسی حد پر ٹھیر نہیں سکتی

رنگ والوں پر یہ طعنہ تھا کہ ان کی تقسیم پھر کسی حد پر ٹھیر نہیں سکتی لیکن کیا نسل والے اپنی تقسیم کے لئے کوئی آخری خط کھینچ سکتے ہیں؟ اگر آدمی صرف اپنے باپوں اور دادوں

کی وجہ سے بانٹا جا سکتا ہے تو صرف آریائی نسل والے سامیوں سے کیوں جدا کیے جاتے ہیں، آریوں کا ہر گوت، اور ان کا ہر خاندان اسی بنیاد پر اپنے کو دوسرے سے کیوں جدا نہ کرے گا۔ اور گوت و خاندان ہی تک یہ بات کیوں ٹھیرے گی، بجز ایسے دو بھائیوں کے جن کے ماں اور باپ ایک ہی ہیں ہر انسان اس تقسیم کی بنیاد پر ایک دوسرے سے جدا ہو جاتا ہے، اور جہاں نسلی جذبات کے اوہام میں شاعرانہ آگ پھونکی گئی، وہاں وہ سب کچھ دیکھا گیا اور ہمیشہ دیکھا جائیگا، جس کا دیکھا جانا نسلی تقسیم کے بعد عقلاً ضروری ہے۔

لسانی تقسیم اور انسانیت کی بیرونی تقسیم کی یہ تو وہ بنیادیں تھیں جو کسی نہ کسی حد تک واقعات سے تعلق رکھتی ہیں، آخر کھالوں، اور چمڑوں کا سفید و سیاہ ہونا، آدمی کا کسی کا بیٹا یا پوتا ہونا کوئی فرضی بات نہیں ایک واقعہ ہے، توہم نہیں، مشاہدہ ہے لیکن کیا حال ہے ان لوگوں کا جو اندر سے باہر نکلے، باطن سے ظاہر میں آئے، اور پھر وہاں بھی ٹھیر نہ سکے، کیونکہ جو آدمی کو رنگ یا نسل کی بنیادوں پر بانٹ رہے تھے، وہ کچھ ہی کر رہے ہوں تاہم واقعات کی بنیاد پر بانٹ رہے تھے لیکن جنھوں نے کہا کہ پانی کو واٹر کہنے والوں کی برابری وہ نہیں کر سکتے جو پانی کو پانی ہی کہتے ہیں، آخر سوچنا چاہیے کہ زبانوں اور بولیوں کی وجہ سے اور محض ان کی وجہ سے جو نسل انسانی کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ سے جدا کر رہے ہیں، وہ کیا کر رہے ہیں۔

کیا الفاظ کا اشیاء و حقائق کے ساتھ کوئی واقعی تعلق ہوتا ہے، یقیناً پانی ایک سیال حقیقت ہے، اس قدر تو واقعہ ہے لیکن اس کا آب ہونا یا پانی، واٹر ہونا یا ماء ہونا، جل ہونا یا اور کوئی لفظ ہونا یہ بھی کوئی واقعہ ہے؟ ایک فرض ہے ایک خود تراشیدہ اصطلاح ہے، اس سے زیادہ زبانوں کے اختلاف کی اور کیا نوعیت ہے؟

لیکن جنگ ہے، جدال ہے، شور ہے، ہنگامہ ہے، اور صرف اس بنیاد پر ہے کہ جو پانی کو جل

کہتے ہیں وہ ان سے کبھی نہیں مل سکتے جو اس کی تعبیر پانی یا آب سے کرتے ہیں جو ہاتھ کو ہینڈ کہتے ہیں وہ ان سے ہاتھ نہیں ملا سکتے جو ہاتھ کو ہاتھ کہتے ہیں، اور جب آدمی بجائے اندر کے باہر سے بانٹا جائے گا تو اس کا آخری مآل کار یہی ہے۔ رنگ اور نسل والوں نے تو صرف آدمی کے باہر کو دیکھا، اور اس کی کھال اور خون کو تقسیم کا معیار ٹھیرایا، پھر کون روک سکتا تھا ان لوگوں کو جنھوں نے کھال اور گوشت سے بھی آگے بڑھ کر ان الفاظ پر کان کھڑے کیے جنھیں بیچارہ آدمی صرف اپنی ضروریات کے لیے استعمال کرتا تھا، حقیقت یہ ہے کہ اگر آدمی ان الفاظ کی بنیاد پر بانٹا جا سکتا ہے جنھیں وہ اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے لیے استعمال کرتا ہے تو کون ڈانٹ سکتا ہے، ان لوگوں کو جو آدمی کو، ٹوپی اور جوتے، چھڑی اور چھتری، رکابی اور کٹوروں کی بنیاد پر بانٹنے لگیں!

آخر ہیٹ پہننے والوں کو ایک قوم، اور شو استعمال کرنے والوں کو دوسری نیشن قرار دیا جائے تو اس پر کون مسکرا سکتا ہے، اور سچ تو یہ ہے کہ انسانی تقسیم ان بنیادوں پر اگر باضابطہ نہیں تو بے ضابطہ طریقہ سے ہو رہی ہے، اور انسانیت کی تقسیم خدانخواستہ بجائے باطن کے ظاہری بنیادوں پر اگر اسی طرح جاری رہے تو اس قسم کے بوقلموں اقسام انسانی کا ضابطہ کی شکلوں میں سامنے آجانا بہت دور نہیں ہے،

وطنی تقسیم وہ لوگ جو بجائے نسل، خون و زبان کے آدم کی نسل کو وطنی بنیادوں پر بکھرا رہے ہیں، سوچو تو سہی کہ آخر وہ کیا کر رہے ہیں، مانا کہ زبان والے فرضی اصطلاحوں اور خود تراشیدہ مسلمات کی وجہ سے بٹے رہے ہیں، لیکن الفاظ بھی واقعی حقائق ہیں، ان کا تعلق اپنے معانی اور مصداق سے فرضی ہی کیوں نہ ہو، لیکن بجائے خود کیا الفاظ کی واقعیت سے کوئی انکار کر سکتا ہے وہ سنے جاتے ہیں، لکھے جاتے ہیں، بولے جاتے ہیں، ان سے ہوا میں ارتعاش پیدا ہوتا ہے لیکن یہ وطن کیا چیز ہے؟ زمین کا ایک کرہ ہے، یہ خاک کا ایک تودہ ہے پھر جو کہا جاتا ہے کہ، یہ یورپ ہے، اور یہ ایشیا ہے، بلاشبہ کاغذ کے نقشوں پر آنکھیں دیکھتی ہیں کہ اس کی سطح کا کچھ حصہ سرخ ہے، اور کچھ زرد، کوئی نیلا ہے، اور کوئی سبز، لیکن رنگین سطحیں یا ان کے

درمیان کے ٹیڑھے، ترچھے خطوط، بجائے کاغذ کے زمین کے چہرے پر بھی کبھی دیکھے گئے ہیں؟ یا آیندہ دیکھے جا سکتے ہیں؟ بھوت بھی وہم ہے لیکن بعضوں کا دعوی ہے کہ انہوں نے اسے دیکھا ہے، مگر اس وہم سے بڑا وہم کون ہو سکتا ہے جس کے دیکھنے والے نہ پچھلوں میں تھے نہ اب ہیں، نہ آیندہ ہوں گے نہ اس زندگی میں اس کا مشاہدہ ہوا اور نہ اس کے مرنے بعد اس کے مشاہدہ کا وعدہ ہے اور یہ انجام تھا اس اقدام کا جو انسانیت کی تقسیم میں بجائے باطن کے ظاہر کو سامنے لایا گیا، آدمی اندر سے باہر آیا، باہر سے بھی آگے بڑھا اور بجائے آدمی کے آدمی کی استعمالی چیزوں پر آیا، اور وہاں بھی نہ ٹھہر سکا۔ بالآخر اس تقسیم کا دم اس منحوس بنیاد پر آکر ٹوٹا جس کے نیچے بجز وہم و فریب، دھوکہ اور فرض کے کچھ نہ تھا،

نسل انسانی جن عواقب و نتائج کی شکار رنگ اور نسل کی تقسیم کی بنیاد پر ہوئی زبانی اور وطنی تقسیم میں تقریباً وہ سب باقی رہے کہ زبانی اور وطنی اختلافات بھی تو تقریباً غیر ارادی ہیں، ممکن ہے جس نے ابتدا میں پانی کے لیے پانی کا لفظ وضع کیا ہو گا اس نے انتخابی قوت سے اس وقت کام لیا ہو لیکن اس کے بعد جس نے اس کو استعمال کیا یقیناً وہ مادری طور پر اس کے استعمال پر مجبور رہا، اسی طرح جو بجائے افریقہ کے ایشیا میں پیدا ہو گیا قطعاً اس پیدائش میں اس غریب کے ارادے کو کوئی دخل نہیں ہے، اسی طرح رنگ اور نسل کے اختلافات کو اگر کوئی مٹا نہیں سکتا تو کیا زبان اور وطن کے اختلافات کو کوئی معدوم کر سکتا ہے؟ زبان کے متعلق تو شاید اپنے لحاف کے نیچے کوئی یہ مالیخولیا قائم کرے کہ آدم کی ساری اولاد بالآخر ایک زبان بولنے لگے گی، اگرچہ اس امکان کی گنجائش ماؤف عقلوں کے سوا کہیں اور مشکل سے نکل سکتی ہے، لیکن کون ہے جو مختلف وطنوں کو ایک وطن کی شکل میں تبدیل کر سکتا ہے، کیا چین میں ہندوستان سما سکتا ہے یا کلکتہ کو بمبئی میں گھسایا جا سکتا ہے؟ پھر کیا تم سمجھتے ہو کہ محض رنگ و نسل ہی کی تقسیم کسی حد پر جا کر قرار نہیں لیتی تھی؟ آخر زبان اور بولیوں کے اختلافات کا احاطہ

کون کر سکتا ہے؟ اور جب الفاظ و آواز کو افتراق کا معیار ٹھہرایا جائے گا تو ایک ہی زبان کے مختلف لہجوں، تذکیر و تانیث اور اسی قسم کے دوسرے صوبجاتی، ضلعواری تنوعات لسانی پر یہ جنگ کیوں نہیں چھڑ سکتی؟ اردو ایک زبان ہے لیکن دلی والوں کی پیشانیاں سکڑ جاتی ہیں جب ان کے سامنے کوئی لکھنوی اردو ہی بولتا یا لکھتا ہے۔ دکن والوں کی اردو پر وہ کیوں قہقہے لگاتے ہیں، جو اپنے کو جمنا یا گومتی کا باشندہ بتاتے ہیں؟

پھر اگر زبانوں بولیوں، ان کے مختلف لہجوں، اسالیب ادا، کا یہ حال ہے تو کیا وطنی اختلافات بھی کسی حد پر جا کر ٹھیر سکتے ہیں؟ ایشیا والے اگر افریقہ والوں سے جدا کیے جائیں گے تو خود ایشیا والوں میں، ہندوستان والے چینیوں سے اپنے کو علیحدہ کرنے میں کیوں حق بجانب نہ سمجھے جائیں گے پھر کون روک سکتا ہے، اگر ہندوستان کا ہر صوبہ اپنے کو دوسرے صوبے سے اور صوبہ کا ہر ضلع دوسرے ضلع سے، ضلع کا ہر تعلقہ دوسرے تعلقہ سے تعلقہ کا ہر گاؤں دوسرے گاؤں سے، گاؤں کا ہر محلہ دوسرے محلہ سے محلہ کا ہر ٹولہ دوسرے ٹولے سے، ٹولہ کا ہر گھر دوسرے گھر سے، گھر کے ہر کمرے کا رہنے والا دوسرے کمرہ والے سے کمرہ کا ہر رہنے والا دوسرے رہنے والے سے اپنے کو وطناً جدا سمجھنے لگے۔ اس لیے کہ اگر صرف مقام بود و باش کی بنیاد پر آدمی کا باشندہ صحیح ہے تو یقیناً جس جگہ یہ ایک شخص لیٹا ہوا ہے اسی جگہ میں دوسرے کی گنجائش نہیں پیدا ہو سکتی، ایک قبر میں دو مردے دفن نہیں ہو سکتے۔ کس قدر عجیب دھوکہ ہے جب وطنی فرق میں پھنسائے ہوئے غریب انسان کے سامنے کوئی پہاڑ یا دریا پیش کر دیا جاتا ہے اگر پہاڑوں یا دریاؤں کی بنیاد پر ایک ملک واقعی دوسرے سے جدا ہو جاتا ہے تو پھر جس ملک میں ہر دس قدم کے بعد ایک پہاڑ اور ہر بیس قدم کے بعد کوئی ندی یا دریا ملتا ہے، آخر اس کو ایک ملک یا ایک وطن کیسے سمجھا جاتا ہے؟ بلاشبہ دریا اور پہاڑ کا وجود واقعی ہے لیکن ان پہاڑوں میں کسی خاص پہاڑ کا یا دریاؤں میں کسی خاص دریا کا سرحد قرار دینا اس کی قیمت فرضی و رسمی سے زیادہ نہیں۔ آج ہندوستان ہندوکش پر ختم کر دیا جاتا ہے لیکن کون روک سکتا ہے کسی شخص کو اگر وہ بجائے ہندوکش کے کابل کے کسی پہاڑ یا وسط ایشیا کے کسی دریا تک ہندوستان کے حدود کو وسیع کر کے اس کا نام ہندوستان کیوں نہ رکھے